برصغیر میں فکرِ اقامتِ دین کا آغاز وارتقا کا طائرانہ جائزہ

A bird`s eye view of the beginning and development of the thought of religion in the subcontinent

Ghulam Mustafa
PhD Scholar Department of Fiqh and Sharia
The Islamia University of Bahawalpur
Email: minqilabi123@gmail.com

Dr. Sajjad Ahmed
Assistant Professor Institute of Islamic Studies
Mirpur university of science and technology Mirpur AJK
Email: sajjad.iis@must.edu.pk

Inayat ur Rahman
PhD Scholar Department of Islamic Thought and Civilization
School of Social Sciences and Humanities (SSH) UMT Lahore
Email: inayatbary@gmail.com

Abstract

The concept of Islamic Shari'ah, which implies that Islam provides the framework for governance, is referred to as Iqamat-e-Deen. This idea was prominently propagated by the great scholar Maulana Seyed Ab-ul-Ala Maududi in the modern era. It encompasses the implementation of Islam in all aspects of life, whether at an individual level, collectively as a movement, or in the service of Islam itself, and represents the true essence of Islam.

Throughout history, Muslims have fervently served and struggled to implement Islam, whether they were in positions of power or under subjugation. Even during times of slavery, Islam managed to spread and attract many non-Muslims to its fold. The period of oppression also served as an opportunity for the oppressed to witness the principles of Islam up close. Similarly, when Muslims rose to power, Islam had the freedom to propagate without hindrance.The subcontinent has witnessed Muslim rule for many centuries, starting with the arrival of Muhammad bin Qasim as a precursor to subsequent Muslim kings who declared it a land of Islam.In the following lines, these references are revisited to explore new perspectives on this thought.

Keywords: Sub-continent, Iqamat-e-Deen, flight, study

برصغیر پاک وہند اور عرب تعلقات کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ عرب اور برصغیر کے درمیان دیرینہ تعلق کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان دونوں علاقوں کے درمیان روابط کا سلسلہ روز اول سے ہی قائم ہوگئے تھے۔ مسلمان ملاحوں اور تاجروں کا تجارتی سفر جاری رہا اور انھوں نے اپنے پیشروؤں کا کام برقرار رکھا اور تجارتی غرض سے

اپنی کشتیاں اور جہاز لے کر عرب سے ہندوستان آتے جاتے رہے۔ دونوں علاقوں کے درمیان تجارتی تعلقات کا سلسلہ آگئے بڑھا تو اس کے نتیجے میں سیاسی تعلقات پیدا ہونے لگئے۔ الغرض مسلمانوں کے سندھ میں باضابطہ آمد سے پہلے اسلام عرب سے پھیلتا ہوا تجارتی رابطوں کے ذریعے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ممالک میں متعارف ہو چکا تھا[1]۔ اس ضمن میں محمد بن قاسم کی آمد بنیاد کی پہلی اینٹ ثابت ہوئی اور اس کے بعد تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔

محمد بن قاسم کی سندھ آمد کے محرکات:

برصغیر کو سرزمین عرب سے فاصلے کی دوری کے باوجود کم از کم یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس خطے میں حضورؐ کے صحابی بھی تشریف لائے تابعی اور تبع تابعی بھی یہاں آئے۔ مشہور مؤرخ محمد اسحاق بھٹی اپنی کتاب فقہائے ہند جلد اول میں صحابہ کرامؓ کی تعداد پچیس (۲۵) گنوائے ہیں جبکہ تابعی اور تبع تابعی کی تعداد بالترتیب بیالیس (۴۲) اور اٹھارہ (۱۸) ذکر کیے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اسلام دو راستوں سے داخل ہوا ہے۔ ایک سندھ کی طرف سے دوسرے شمال مغربی سرحدی صوبہ موجودہ صوبہ خیبر پختونخوا کی طرف سے ۔ ان دونوں راستوں کے ذریعے ابتدائی دور ہی میں اسلام یہاں آگیا تھا اور قرن اول کے مسلمانوں نے جنگ وجدل کی ابتداء کر دی تھی تاکہ اہل ہند اُن پاکیزہ اخلاق و کردار، اعلیٰ تہذیب وثقافت اور تعلیم وشائستگی کی بلند ترین اقدار سے بہرہ یاب ہو سکی۔ جن کو اسلام میں بنیاد اور اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ سندھ کی طرف سے محمد بن قاسم اور صوبہ خیبر پختونخوا کی طرف سے سلطان محمود غزنوی نے داخل ہو کر غیر اسلامی طاقتوں کو زیر اور کفر کا جھنڈا سرنگوں کیا اور اسلام کی فروغ واشاعت کے لیے راہ ہموار کی[2]۔

آج کل سندھ پاکستان کا ایک چھوٹا صوبہ ہے۔ پہلی صدی ہجری آٹھویں صدی عیسوی کے ابتدا میں یہ ایک وسیع اور خود مختار ملک تھا۔ اگرچہ اس کے حدود کا صحیح تعین کرنا مشکل ہے، تاہم موجودہ سندھ کے علاوہ بلوچستان اور مکران کے مشرقی اضلاع بھی اس میں شامل تھے۔ شمال کی طرف اس کی سرحدیں جہلم اور چناب کے سنگھم تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مشرق کی طرف ملتان اس کا اہم سرحدی مرکز تھا۔ گویا ملک سندھ کا سابقہ رقبہ موجودہ صوبہ سندھ سے کم از کم دوگنا زیادہ تھا۔

سندھ پر حملے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے مؤرخین کہتے ہیں کہ بنو اُمیہ کے دور میں بعض عرب تاجر سری لنکا میں وفات پا گئے تھے ۔ وہاں کے راجہ نے اُن کی یتیم بیٹیاں اور بیش بہا تحائف اُموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے لیے مشرقی صوبوں کے گورنر حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کئے۔ یہ مسافر اور تمام سازوسامان جو آٹھ

چھوٹے جہازوں پر مشتمل تھے، جب سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (کراچی) کے قریب پہنچا، تو بحری ڈاکوؤں نے پورے قافلے والوں کو لوٹ لیا اور تمام مردو خواتین کو گرفتار کر لیا۔ جب یہ خبر حجاج بن یوسف تک پہنچی تو اس نے طیش میں آکر راجہ داہر سے گرفتار مسافروں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ لیکن راجہ داہر نے اس معاملے میں اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کسی قسم کا تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ڈاکوؤں کی گرفتاری اور پھر حوالگی میرے دسترس سے باہر ہے۔ راجہ داہر کی طرف سے مثبت جواب نہ ملنے پر حجاج بن یوسف نے سندھ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک سے اجازت مانگی۔ خلیفہ وقت کو سندھ پر چڑھائی کی مہم میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس مسئلے کو راجہ داہر کے ساتھ سودابازی کے ذریعے سے حل کرنا چاہتا تھا۔ خلیفہ کے خیال میں سندھ اور ہند کی مہم گھاٹے کا سودا تھا[(3)]۔

حجاج بن یوسف کو سندھ کی مہم میں ذاتی دلچسپی تھی۔ اس لیے انہوں نے بار بار اصرار کر کے آخر کار خلیفہ ولید بن عبد الملک سے سندھ پر چڑھائی کا اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے فوری طور پر عبید اللہ بن نبہان اور بدیل بن طہفہ البجلی کی قیادت میں یکے بعد دیگرے دو لشکر بھیجے مگر دونوں لشکروں کو راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ دونوں سپہ سالار اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔ حجاج بن یوسف کو اپنے دو سپہ سالاروں کی شہادت پر بڑا صدمہ ہوا۔ عربوں کی پے در پے شکست نے حجاج کا جوش انتقام اپنی انتہا تک پہنچا دیا اور اس دفعہ آپ نے بھرپور طریقے سے سندھ پر حملہ آور ہونے کا عزم کر لیا۔ خلیفہ وقت کو خط لکھ کر مسلمان قیدیوں کو رہا کرنے، اپنی شکست کا بدلہ لینے اور دارالخلافہ کے خزانے سے خرچ شدہ رقم کی تلافی کا وعدہ کیا۔ جب خلیفہ ولید بن عبد الملک نے آپ کی بے انتہا دلچسپی کو مدنظر رکھ کر سندھ پر چڑھائی کا حکم نامہ جاری کر دیا تو اجازت نامہ موصول ہوتے ہی آپ نے اس مہم کے لیے اپنے سترہ سالہ داماد عماد الدین محمد بن قاسم کو بارہ ہزار پیادہ فوج اور تین ہزار شتر سوار فوجیوں کا ایک دستہ دے کر سندھ کی طرف روانہ کیا۔ اپنے فوجی کمانڈر کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہنے کے لیے مواصلات کا بہترین نظام قائم کیا تاکہ جنگ سے متعلق ضروری ہدایات مسلسل جاری ہو سکے۔ اس کے علاوہ اس دور کی مناسبت سے سب سے اہم فوجی ہتھیار منجنیق بھی روانہ کیں۔ جن میں ایک قلعہ شکن عروس نامی منجنیق جسے چلانے کے لیے پانچ سو افراد درکار ہوتے تھے بھی موجود تھی[5(4)]۔

محمد بن قاسم اگرچہ ایک کم سن جرنیل تھا لیکن ایک باہمت اور باتدبیر سپہ سالار کے طور پر سامنے آگیا۔ حجاج بن یوسف کی طرف سے حکم نامہ ملتے ہی بڑی تیزی سے مکران کی طرف بڑھے وہاں پر معمولی مزاحمت کے بعد مکران کے مشہور مقائم ارمن بیلہ کو فتح کیا۔ ارمن بیلہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد دیبل کا رخ کیا جو آپ کے اس سفر

کا مقصد و مدعا تھا۔ دیبل پہنچ کر فوری طور پر پورے علاقے کا محاصرہ کر لیا۔ مسلسل کی روز تک دونوں لشکروں کے درمیان مقابلہ جاری رہا۔ آخر کار العروس نامی منجنیق جسے مسلمان انجنیئر جعوبہ چلا رہا تھا۔ کے ذریعے اُن لوگوں کے مندر پر نصب جھنڈے کو نشانہ بنایا گیا۔ جھنڈا گرتے ہی دفاع کرنے والوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور دیبل فتح ہوا۔ دیبل کو فتح کرنے کے بعد نیرون کی طرف متوجہ ہوئے جو موجودہ حیدرآباد کے قریب ایک علاقے کا نام تھا۔ یہ علاقہ بغیر کسی مزاحمت کے مسلمانفوجوں کے ہاتھ آیا اور اس علاقے کے حاکم نے محمد بن قاسم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ بعد ازاں محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کر کے راوڑ کے مقائم پر راجہ داہر کے ساتھ آخری جنگ لڑی۔ اس معرکے میں اگرچہ مقابلہ سخت رہا تاہم مسلمان فوجوں کو کامیابی ملی۔ راجہ داہر اس جنگ کے دوران مارا گیا۔ اسی طرح ڈیڑھ سال کے مختصر عرصے میں الور اور ملتان تک کا پورا علاقہ فتح ہوا۔ محمد بن قاسم نہ صرف سندھ کا پورا علاقہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ دیبل میں محصور قیدیوں کی رہائی کے ساتھ ساتھ پورے سندھ کو امن و امان کا شہر بنا دیا۔ ''سندھ کی مہم پر ساٹھ لاکھ درہم خرچ ہوئے اور مال غنیمت میں سے ایک کروڑ بیس لاکھ درہم وصول پائے[6]۔'' اس مہم کے بعد محمد بن قاسمؒ نے دعوت و تبلیغ کام کی طرف توجہ کی۔

محمد بن قاسم کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیاں:

محمد بن قاسم کو ایک نوجوان جرنیل کی حیثیت سے بہادری کے جوہر دکھانے کا نشہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن انھوں نے ایک عظیم فاتح کے طور پر فروغ اسلام اور عوام کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی۔ جہاں بھی گئے تبلیغ اسلام ہی آپ کے پیش نظر رہا۔ ہر قصبے میں مسجدیں تعمیر کروائی۔ مذہبی رواداری کو فروغ دیا۔ عدل وانصاف اور امن و امان بحال کر دیا۔ مفتوحوں کے ساتھ عقل مندی اور سخاوت کا معاملہکیا۔ ہندوؤں کو مکمل مذہبی آزائدی فراہم کر دی تاکہ وہ آزائدی کے ساتھ اپنی عبادت گاہوں میں رسوم وعبادت ادا کریں۔ مسلمانوں کے مقدمات کے تصفیے کے لیے قاضی مقرر کیے جبکہ ہندوؤں کے لیے ان کے پنچائتی نظام کو برقرار رکھا۔ اس مذہبی رواداری اور انصاف کا یقینی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی مخالفت کم ہونے لگی اور کئی شہروں میں لوگوں نے خود بخود اطاعت قبول کر لی۔ لوگ آپ کی انصاف پسندی اور اسلامی تعلیمات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کی واپسی کے بعد لوگوں نے قلق محسوس کیا اور یادگار کے طور پر اُن کے بت بنا کر اپنے مندروں میں رکھ دیے[7]۔

فتح سندھ کے نتیجے میں نہ صرف وہاں کے مقائمی باشندوں کو جابر حکمرانوں کے جبر واستبداد سے نجات ملی بلکہ جنوبی ایشیا میں تبلیغ اسلام کی راہیں کھل گئیں۔ خانہ بدوش اور غیر متمدن زندگی بسر کرنے والی قوم میں شائستگی

پروان چڑھی۔ محمد بن قاسم نے لوگوں کے سامنے سندھ پر حملہ کرنے کی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح طور پر فرمایا کہ میں یہاں ایک عظیم مقصد کے حصول کے لیے آیا ہوں اور وہ حق وانصاف کے ساتھ مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی ہے۔ میں مسلمان ہوں اور اسلام ہمیں توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔ ہمارا رب رحمن ورحیم ہے۔ وہ کبھی بھی ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ ہم بھی بحیثیت مسلمان ظلم کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہمارا مقصد کشور کشائی نہیں ہے۔ ہم ظالموں سے لڑنے اور ظلم کو مٹانے کے لیے آئے ہیں۔ راجہ داہر کو شکست دینے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے ظلم اور سفاکیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ معاشرے کو فتنہ وفساد کے اندر دھکیلنا چاہتا تھا اور ہم معاشرے میں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کا پیغام بھی امن وسلامتی ہے[8]۔

محمد بن قاسم اپنی حسین وجمیل صورت کے ساتھ ساتھ اچھی سیرت اور اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ سندھی عوام جو برسوں سے ظالم، جابر حکمرانوں اور راجاؤں کے جبر واستبداد کا نشانہ بنے چلے آرہے تھے اور ان کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہیں تھی۔ محمد بن قاسم نے پہلی دفعہ انہیں انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ اور ان کی گردنوں سے طوقِ غلامی کو ہٹا کر بندہ بے دام بنا دیا۔ صرف یہی وجہ تھی کہ سندھیوں نے آپ کی حکومت کو رحمت الٰہی کا درجہ دیا۔ محمد بن قاسم کے جانے کے بعد سندھ پر تین سو سال تک عربوں کی حکومت قائم رہی اس عرصے میں انہوں نے اس پورے علاقے کو اسلامی رنگ میں ایسا رنگا کہ اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ اس خطہ ارضی پر مسلم حکومت کا قیام تاریخ اسلام اور تاریخ برصغیر کا ایک اہم واقعہ ہے۔ محمد بن قاسم سندھ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہ صرف اشاعت دین کی راہیں ہموار ہو گیئں بلکہ یہاں پر علم وادب کو بھی بہت ترقی ملی۔ عربی اور سندھی علم وادب میں وسعت آگئی۔ ایک دوسرے کی زبان میں تراجم اور افکار کی ترسیل وتبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سندھ کے بعض علما نے عربی ادب میں اپنی اعلیٰ خدمات پیش کر کے بہت نام پیدا کیا۔ بعض سندھی علما جو بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے سنسکرت زبانوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ عرب سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کو سندھ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرنے کے مواقع میسر آئے۔ اُن کی بدولت سندھ عرب دنیا میں کھل کر متعارف ہونے لگا۔ عرب مجاہدین جو سندھ میں آباد ہوئے تھے مقامی خاندانوں میں شادیاں کیں۔ اسی طرح تہذیب وثقافت کا تبادلہ ہونے لگا۔ عرب مجاہدین کی قائم کردہ چھاؤنیاں بعد میں آباد اور ترقی پذیر شہروں اور علوم وفنون کے مراکز کی صورت اختیار کر گیئں۔ عربوں کا اہم ترین علمی کام، علم ریاضی میں اعشاری نظام کا وجود تھا جو یہاں فروغ پانے لگا۔ اس دور میں ہندوؤں، بدھوں اور مسلمانوں کے درمیان علمی مذاکرے ہونے لگئے جس کی وجہ سے اسلام کی سچی تعلیمات کو فروغ

پانے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کا تہذیب و تمدن روز بروز ترقی کرنے لگا۔ علم و ادب کی ترقی کے علاوہ فتح سندھ کے نتیجے میں عربوں کے ہاتھوں جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے ساحلی علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلقات کا وسیع سلسلہ شروع ہوا۔ برصغیر پاک و ہند کا براہ راست اسلامی مراکز سے رابطہ قائم ہونے لگا۔ یہاں کے تاجر بلاروک ٹوک بصرہ تک تجارتی غرض سے سفر کرنے لگئے۔ اس باہمی آمد و رفت کی وجہ سے علم و ادب کے علاوہ فن تعمیر کو بھی ترقی ملی۔ یہاں کے لوگوں نے جہاز سازی اور سکہ سازی کے نے رجحانات کو اختیار کیا۔ سب سے بڑھ کر فادہ یہ ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کے دروازے باضابطہ طور پر مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔ سندھ اسلامی تہذیب و تمدن کی روشنی سے منور رہا۔ زرعی اور معاشی ترقی کے ساتھ صنعت و حرفت اور فنون میں بہت بڑی پذیرای ملی[9]۔

قدیم وجدید مسلم مؤرخین میں محمد بن قاسم کے اوصافِ حمیدہ بالخصوص رعیت نوازی، رواداری، انصاف پسندی اور عوام کی بھلائی میں غیر معمولی دلچسپی کو نمایاں کرنے والوں کی کمی نہیں تاہم بعض غیر مسلم مؤرخین نے بھی محمد بن قاسم کی حکومت کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ظفر الاسلام اصلاحی نے اپنی کتاب میں ہسٹری آف جہانگیر کا حوالہ دیا ہے۔ جس کے مصنف ڈاکٹر بینی پرشاد محمد بن قاسم کی حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اس کے باشندوں کو مذہبی فراض انجام دینے اور عباد تکرنے میں آزائدی ہو۔ ہندوستان کے مسلم حملہ آوروں نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کر لیا تھا۔ آٹھویں صدی میں محمد بن قاسم نے سندھ میں اپنی حکومت کا جو نظم و نسق قائم کیا۔ وہ اعتدال اور رواداری کی ایک روشن مثال ہے[10]۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر کیسے قدم رکھا۔ یہ کسی اندھیری رات کا قصہ نہیں، روشن تاریخ کا حصہ ہے[11]۔ محمد بن قاسم نے نہ تو بے نوک شمشیر سے اہل سندھ کا مذہب بدلا اور نہ مذہبی امن رعایا سے تعارض کیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے ہر موڑ پر مصالحانہ رویہ اختیار کیا اور راجہ داہر کو بھی مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے اس معاملے کو مخصوص ایشو تک محدود رکھنے کی تلقین کی مگر راجہ داہر کے ان الفاظ نے چنگاری کو شعلہ بنا دیا کہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گا۔ اسلام امن وآشتی کا دین ہے۔ اسلام کا مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ اپنے فروغ اور اشاعت کے لیے تلوار کا سہارہ نہیں لیتا۔ اور اپنے غلبے کے لیے خون بہانا نہیں چاہتا۔ البتہ فتنے کی سرکوبی کے لیے یہ قدم ضرور اٹھاتا ہے اور فتنے کو معاشرتی آبرو کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ راجہ داہر نے ایسی فتنہ انگیزی کے اسباب پیدا کر دیے تھے۔ جن کا استیصال ضروری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فتنہ چاہیے اندرون ہو یا بیرون، بہر حال قلع قمع کی جانے کے قابل ہے۔ آج کی دنیا ظلم و بربریت کا منظر پیش کر رہا ہے۔ بوسنیا ہو یا کشمیر، جنوبی افریقہ ہو یا فلسطین اپنی نام نہاد سفارتی نزاکتوں اور سرحدی تنازعات کی نذر ہو رہا ہے۔ اور یہ تمام علاقے

فتنے کی زد میں ہیں۔ جہاں انسانی لہو کی کوی حرمت باقی نہیں رہی ہے اور نہ انسانی آبرو کی کوی وقعت باقی ہے۔ اگر اسلام کی حقیقی مزاج کو سمجھا جایے تو ان تمام فتنوں کی سرکوبی کوئی مسئلہ نہیں لیکن محمد بن قاسم کہاں سے آئے جو عصرِ جدید کے داہروں کو سبق سکھائے۔

برصغیر میں اقامتِ دین کی شروعات:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کا سورج خلافت بنو اُمیہ کے دور میں طلوع ہو چکا تھا جب محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری میں سندھ اور ملتان پر قبضہ کیا تھا اگرچہ محمد بن قاسم کا دور نہایت محدود ہونے کے ساتھ عارضی رہا، تاہم آپ کی واپسی کے بعد بھی تقریباً سوا سو برس تک یہ ملک پہلے دمشق اور پھر بغداد کا جزو رہا۔ تیسری صدی ہجری کے وسط میں معتصم باللہ کے بعد یہاں کے عرب گورنروں نے خود مختاری حاصل کرلی۔ اس کے بعد کہیں ہندو راجاوں کی حکومتیں بنیں اور کہیں مسلمانوں نے اپنی ریاستیں قائم کیں۔ سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک اُن میں سے بعض ریاستیں سندھ میں قائم تھیں اُن ریاستوں میں دو ریاستیں یعنی سندھ کے سرے پر منصورہ اور سندھ کے خاتمے پر ملتان زیادہ مشہور تھیں۔ عربوں نے سندھ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد جو نو آبادیاں قائم کی تھیں اُن میں بہت سے عرب قبائل آکر آباد ہونے لگئے۔ تیسری صدی کے وسط تک ان کی حکومت ملتان سے لے کر منصورہ تک کسی نہ کسی حد تک قائم رہی۔ اگرچہ یمنی اور حجازی عربوں کی خانہ جنگیوں کے نتیجے میں بہت سی ریاستیں ان کے قبضہ سے نکل گیئں تاہم ملتان اور منصورہ دو ایسی ریاستیں تھیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک قائم رہیں[12]۔ اور خارجی اور داخلی فتنوں اور شورشوں میں بھی منصورہ اور ملتان کی حکومتیں قائم رہیں۔ انہوں نے اپنے چراغ کو ایک مدت تک روشن رکھا۔ یہی نہیں بلکہ امن وامان کا بہترین مظاہرہ کیا۔

ہمارے حکمرانوں نے اپنی خود مختاری اور ہر قسم کی داخلی آزادی کے باوجود اپنے آپ کو مرکز خلافت بغداد سے وابستہ کرکے عباسی خلفا کی ماتحتی کو اپنے لیے بہتر سمجھا۔ ہباری حکومت کے قبضہ سے پہلے سندھ اقتدار پسندوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ ہر طرف شورش ہی شورش تھی۔ ہباری حکومت کے آتے ہی نقشہ بدل گیا جو مسلمان معاشرتی شورش اور ابتری کی بنیاد پر اپنا مرکز چھوڑ چکے تھے اپنے گھروں کو واپس آگئے۔ حدود منصورہ میں واقع سندھ کی جو ہندو ریاستیں سرکشی کر رہی تھیں وہ بھی مرکز منصورہ سے وابستہ ہو کر مطمن ہو گیئں۔ ہباری حکمرانوں نے اپنے نظام مملکت کی بنیاد اسلامی حکومت وسیاست پر رکھی۔ ہر طرف عدل وانصاف، امن وامان اور خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ سندھ کے عوام تمام الجھنوں کو بھول کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگئے۔ ہباریوں کے پورے دور حکومت میں قرب وجوار کی کسی

مسلم یا غیر مسلم حکومت سے اقدامی یا دفاعی جنگ کا پتہ نہیں چلتا اور ہباریوں کا پورا دور امن وآشتی اور صلح کا دور معلوم ہوتا ہے۔ ہباریوں کا پورا دور حکومت دینی اور مذہبی اعتبار سے بہت شاندار تھا۔ وہ پکے سنی اور خلافت عباسیہ کے طرف دار تھے۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں ایک اسلامی ریاست کا واضح تصور پیش کرتے ہوئے عہدہ قضا اور حدود وقصاص کا اجرا کیا تھا۔ جہاں اسلامی قوانین کی رو سے حدود و تعزیرات جاری ہوتی تھیں اور پوری مملکت میں اسلامی احکام نافذ تھے۔ ہباریوں کی دینداری کا اثر غیر مسلم رعایا پر خصوصی طور پر پڑا۔ اسلام کے بارے میں اُن کی جو غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہو گیئں۔ اسلام سے محبت بڑھنے لگی اور سندھ کا ایک راجہ مسلمان ہو گیا[13]۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور واپسی کے بعد برصغیر میں اُموی خلافت کے مفاد کو نہایت دھچکا لگا۔ انتظامات میں ابتری آگئی، نظم ونسق کا پورا ڈھانچہ ہل گیا۔ ہر طرف خود سری اور سرکشی پھیل گی۔ راجے، مہاراجے بے لگام ہو کر من مانیوں پر اُتر آئے۔ تمام معاہدات کے بند ٹوٹ گئے تمام مقبوضہ اور مفتوحہ علاقے قابو سے باہر ہو گئے۔ مسلمان اپنی خاص آبادیوں اور بستیوں میں چلے گئے اور غیر مسلم سپاہی جو محمد بن قاسم کی ماتحتی میں دشمن سے برسرپیکار تھے اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ گئے۔ یزید بن ابو کبشہ جس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کیا تھا صرف 18 دنوں بعد انتقال کر گیا۔ حجاج بن یوسف جسے تاریخ میں بڑا ظالم اور سفاک کر کے پیش کیا گیا ہے اور یقیناً اس کی بے رحمی اور ظلم کی داستان بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، تاہم اُن کے بہترین کارناموں کی فہرست بھی دراز ہے انہی کی کوششوں سے اندلس فتح ہوا۔ افریقہ پر اسلامی پرچم لہرایا، چین کی دیواروں تک اسلام کی آواز پہنچی، پورا سندھ زیر نگین ہوا۔ بہت سے قصبے اور شہریں مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ محمد بن قاسم کو اس نے برصغیر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور یہ اتنا معتبر اور مفید ثابت ہوا کہ سندھ میں اسلام کی مشعل روشن ہو گئی اور اس کے در و دیوار سے قال اللہ و قال رسول کی روح افزا صدیں گونجنے لگیں[14]۔

محمود غزنوی کی فتوحات:

محمود غزنوی(1030 تا971ء) کا پورا نام ،یمین الدین الدولہ ابوالقاسم محمود ابن سبکتگین تھا۔ آپ 998 سے لیکر 1030ء تک غزنہ کے حکمران رہے جس میں موجودہ افغانستان کے علاوہ شمال مغربی ایران شامل تھے۔ محمود غزنوی کو بہت چھوٹی عمر یعنی 27 سال میں حکمران بننے کا موقع میسر آیا۔ تخت نشینی کے وقت اگرچہ غزنہ ایک چھوٹی سی ریاست پر مشتمل تھا لیکن جوان محمود غزنوی بہت بڑا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی چھوٹی سی ریاست کا پایہ تخت وسیع کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بیس سے زائد مہمات میں حصہ لیا نہ صرف بہت ساری دولت اکٹھی کی بلکہ اپنی

بادشاہت کا دائرہ بھی وسیع کر دیا اور ابتدائی دو سالوں کے دوران غزنہ میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ سلطان محمود بچپن سے ہندوستان کو فتح کرنے کی آرزو رکھتا تھا۔ چنانچہ اب اس نے ترکستان اور خراسان کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلی بھرپور مہم کا آغاز 1001ء میں ہوا اور آخری مہم 1026ء میں ختم ہوئی۔ اُن کی ابتدائی مہمات کا ہدف پنجاب اور شمال مشرقی ہندوستان تھے جبکہ آخری مہم میں وہ گجرات کے جنوبی ساحل پر سومنات تک جا پہنچا۔ جس وقت محمود ہندوستان میں آیا تو یہ ملک راجپوتوں اور راجاؤں میں بٹا ہوا تھا۔ محمود پہلا شخص تھا جو اسلام کا جھنڈا ہندوستان کے اندر لے گیا۔ بعض ہندوستانی مؤرخین اُسے ناقابل تسکین حملہ آور اور لٹیرے کے طور پر پیش کرتے ہیں تاہم بعض مسلمان مصنفین اُسے راسخ العقیدہ، القایافتہ اور مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ ان حملوں کے دوراں اسے فتوحات کے علاوہ بہت سارے دولت اکھٹے کرنے کا موقع ملا تاہم ہندوستانیوں سے ان کا رویہ اچھا رہا۔ اس دوران آپ نے بہت رواداری کا مظاہرہ کیا۔ اسلام کا زبردست حامی ہونے کے باوجود اپنے ہندوستانی اطاعت گزاروں پر سختی نہیں کی اور نہ ہی کبھی ان پر اسلامی مذہب جبراً نافذ کیا۔ اور نہ آپ کے دور میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بُت شکنی کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ آپ نے یہاں تک ہندوؤں کے ساتھ رواداری کا مظاہرہ کیا کہ انہوں نے اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی برقرار رکھا۔ اسی وجہ سے ہندوستان کے اندر اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع میسر آیا[15]۔

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سلطان محمود تمام دینی اور دنیاوی خوبیوں کا مجموعہ تھا۔ اپنی دلیری، شجاعت، عدل وانصاف، انتظام سلطنت اور فتوحات کے لحاظ سے پوری دنیا میں بے مثال تھا۔ اس کی معرکتہ آرائیوں کا اصل ہدف مال و اسباب اکٹھا کرنا نہیں تھا بلکہ اسلام اور انصاف کی برکات کو پھیلانا تھا اور ظلم و بربریت کی بنیادوں کو ڈھانا تھا۔ استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں کسی کی کوئی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتا چلا جاتا تھا اور انصاف کا یہ عالم تھا کہ دور ونزدیک ہر مقائم پر اس کی انصاف پسندی کا چرچا تھا۔ مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ کہتے ہیں کہ اگرچہ محمود کو دولت سے بہت محبت تھی وہ حتی الامکان دولت اکٹھا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے باوجود بھی ایسے باہمت بادشاہ کو بخیل کہنا مؤرخین کی ناانصافی اور کم توجہی کا ثبوت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دولت کے ساتھ بے حد محبت کے باوجود اسے دولت کی فراخ دلی سے خرچ کرنے کا طریقہ بھی آتا تھا[16]۔

جس وقت محمود غزنوی ہندوستان پر چڑھائی کر رہا تھا۔ یہ نہایت متمول ملک تھا ہر طرف دولت کی فراوانی تھی۔ محمود جب متھرا کے شہر میں داخل ہوا تو وہاں پر موجود ہزار سے زائد سنگ مرمر سے بنی ہوئی عمارتوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا جن پر کروڑوں دینار سے زائد رقم خرچ ہوی تھی۔ وہاں کے مندروں میں محمود اور اُن کے سپاہیوں کو ایسے سونے کے بُت بھی ملے جن کی صرف آنکھوں پر پچاس ہزار دینار کا خرچ آیا تھا۔ اور خود بُت اٹھانوے مثقال

طلائی خالص سے بنا ہوا تھا۔ آخری چڑھائی جو 1024 کو سومنات کو فنا کر دینے کی غرض سے ہوئی تھی، محمود نے ایک حیرت انگیز عمارت دیکھی جن میں چھپنستونوں پر سونے کے پتھر جڑے ہوئے تھے اور اُن کے بیچ میں جواہرات تھے۔ ہزارہا سونے اور چاندی کے بُت رکھے ہوئے اس مندر میں کام کرنے والے عملوں میں دوہزار برہمن، پانچ سو ناچنے والیاں اور تین سو باجا بجانے والے تھے۔ سومنات کی فتح میں مسلمانوں کو اس زمانے کے حساب سے پندرہ کروڑ کی رقم ملی جو آج کے دور کے حساب سے بہت بڑی مالیت ہے[17]۔

محمود جس حیثیت سے فاتح اور کشور کشا تھے اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھے وہ خود عالم، شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوسی جیسے شاعر اور البیرونی جیسے حکیم اور اس کے عہد کے علما اور فضلا کا مجمع رہتا تھا[18]۔

جہاں تک محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کا تعلق ہے تو دونوں میں کافی فرق دکھائی دیتا ہے۔ محمد بن قاسم کا ہندوستان پر حملہ اگرچہ ایک اشتعال کا مرہون منت تھا تاہم وہ ایک تابعی کی حیثیت سے ہندوستان میں باقاعدہ ایک اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے برعکس محمود غزنوی کے حملوں کا منشا اپنی پڑوسی حکومت پر قبضہ کر کے ہندوستانی راجاوں کو زیر کرنا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندوستان کے علاقوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اسلام کو ہندوستان کے اندر پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا موقع میسر آیا۔ جب محمود غزنوی کا دور اپنے اختتام کو پہنچا تو اس کے بعد شہاب الدین غوری کا دور شروع ہوا۔ شہاب الدین غوری اور محمد بن قاسم کے ارادوں کے درمیان بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی تھی۔ غوری کے حملوں کا مقصد بھی پورے ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی ریاست کا قیام تھا۔ سلطان غوری نے محمود کی طرح راجاوؤں کو صرف باجگزار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فتوحات کے بعد اپنے نگرانوں کے ذریعے حکومت کو وسعت دینا چاہا۔ غوری ایک حوصلہ مند بادشاہ تھا جو ہر اس طاقت کو کچل دینا چاہتا تھا جو اس کے راستے میں رکاوٹ ہو۔ اسی وجہ سے انھوں نے ہندوستان میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈال دی جو زمانہ دراز تک ہندوستان پر قبضہ برقرار رہی۔ چونکہ شہاب الدین غوری کی کوی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لیے آپ کی وفات کے بعد حکمرانی کا سلسلہ آپ کے خاندان سے منتقل ہو کر آپ کے خانہ زائد غلاموں کے قبضے میں چلا گیا اور سلطان قطب الدین ایبک نے خاندان غلاماں کی حکومت کی داغ بیل ڈالی[19]۔

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں اقامت دین کی کوشش:

سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی موت کے بعد اُس کا بیٹا آرام شاہ بن قطب الدین تخت نشین ہوا لیکن وہ ایک نااہل حکمران ثابت ہوئے اُس کے ایک سالہ دور حکومت میں سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا تو اُمراء سلطنت نے باہمی مشورہ کرکے التمش کو دہلی کے تخت و تاج سنبھالنے کی استدعا کی([20])۔ التمش نے بڑے مدبّرانہ انداز مین سلطنت کو زوال پزیر ہونے سے بچایا اور 1229 کو خلیفہ بغداد سے خلعت سلطانی حاصل کیا چونکہ التمش ایک بیدار مغز، با تدبیر، عادل اور حق شناس حکمران تھا اس لے آپ کا شمار حکمرانوں کے علاوہ بزرگان دین میں بھی ہوتا ہے ۔ آپ ایک بہترین بدّبر اور سیاست دان ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجے کا صوفی اور صاحب معرفت و طریقت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی تلوار نے بڑی بڑی طاقتوں کو شکست فاش دے کر ایک عظیم و وسیع سلطنت کی بنیادیں مستحکم کی۔ بادشاہت حاصل کرنے کے بعد اصلاح مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ دربار میں اہل علم کو جگہ دی بادشاہ کی پاک زندگی اور طہارت نفس کا یہ عالم تھا کہ رات کی تاریکیوں میں خانقاہ کے اندر جاکر خوف خدا اور عجز و تقویٰ کا طلبگار تھا۔ فتوحات اور اسلامی جوش کا یہ عالم تھا کہ التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر وہمت سے چنگیزی حوادث اور فتنوں سے پوری سلطنت کو بچائے رکھا۔ چنگیز خان جس نے خوارزمی، غور اور ایران کے اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا اور اُس کے حملوں کا ہر وقت خوف رہتا تھا ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ کر سکا۔ التمش عبادات مذہبی اور فرائض دین کا سختی سے پابند تھا وہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا تھا شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خاص نظر تھی التمش خواجہ کے پاس حاضر ہوتے تھے، نماز پڑھتے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوتے آپ کی ریاضت وعبادت کا یہ عالم تھا کہ خواجہ بختیار کاکی کے وصال کے بعد جب اسے غسل وکفن دے کر جنازہ پڑھانے کا مرحلہ آیا تو خواجہ بختیار کاکی کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا گیا کہ وہی شخص خواجہ کا نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے جس نے کبھی زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو عصر کی سنتین اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ کی ہو اس موقع پر کوئی بھی آگئے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھانے کی ہمت نہیں کی آخر کار سلطان شمس الدین التمش خود اگئے بڑھے اور نماز جنازہ پڑھایا اور کہا کہ اپنی نمازوں کی تشہیر اور نمائش بہر حال پسند نہیں کرتا تھا لیکن خواجہ کی وصیت کی تعمیل بہر حال ضروری تھی([21])۔ شمس الدین کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ عادل، فاضل اور صالح حکمراں تھا۔ ظلم کو مٹانے اور مظلوموں کی دادرسی کے لے ہمیشہ مستعد رہتے تھے آپ نے مظلوموں کو رنگین کپڑے پہننے کا اعلامیہ جاری کیا تھا تاکہ مظلوموں کی دادرسی اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرنا آسان ہو۔ اس کے علاوہ آپ کے عہد حکومت میں علمی ترقی ،صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ علمی و روحانی مدارس نے کثرت سے رواج پایا۔ جہاں

معلمین کو تنخواہ اور متعلمین کو تعلیمی اخراجات دے جاتے تھے اور مفت تعلیم کا انتظام ہوتا تھا۔ سلطان شمس الدین کے عہد میں ہندوستان میں بلند پایہ کتب باترجمہ تصنیف ہوئیں جن میں ادب الحرب بہت مشہور تھی[22]۔

عہد عالمگیر میں اقامتِ دین کی کوششیں:

مغلیہ خاندان نے برصغیر پاک وہند پر تقریباً تین سو سال تک حکومت کی۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے کئی نامور حکمران گزرے، جن میں اورنگزیب عالمگیر واحد مغل حکمران تھے جن کا دورِ حکومت برصغیر میں اسلامی تہذیب وثقافت کی احیامیں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتاہے[23]۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں اسلامی حکومت قدرے نمایاں شکل میں عوام کے سامنے آئے۔ اس نے اپنی تمام تر جدوجہد احیائے اسلام اور شعار اسلام کی ترویج واشاعت میں صرف کر دی۔ رعایا کی خوش حالی، اقتصادی بہتری، اور مادی سہولیات کی طرف خصوصی توجہ دی۔ برائیوں کی روک تمام اور ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے انقلابی قدم اٹھایا۔ آپ نے نشہ آور چیزوں کی کاشت کاری پر پابندی لگادی۔ شراب نوشی اور قمار بازی کو سختی سے ممنوع قرار دیا۔ بدکاری وغیرہ برائیوں کی روک تھام کے لیے خصوصی اقدامات اٹھائے۔ بازاری عورتوں پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ یا تو شادی کریں یاملک چھوڑ دیں۔ آپ نے ان تمام احکامات اور نفاذ کے سلسلے میں محتسب مقرر کئے۔ ستی کی رسم پر پابندی لگادی۔ بچوں کو غلام بنانے یاخواجہ سرابنانے کے خلاف حکم جاری کیں۔ مغل حکمران جلال الدین اکبر کی غلط پالیسی کے نتیجے میں ملک کے اندر جو بے راہ روی اور بے مقصدیت پیدا ہو گی تھی۔ اور تقریباً تین پشتوں تک پروان چڑھی تھی، کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ اکبر نے مجازی خدائی کا جو غلط تصور پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی، آپ نے اس کا خاتمہ کر دیا اورایک عام انسان کی حیثیت سے حکومت کی۔ انسانوں کی جبینوں کو اپنے سامنے جھکانے کے بجآئے انہیں سربلند کر دیا۔ تمام جاہلانہ رسومات کا قلع قمع کیا۔ سادگی کا یہاں تک مظاہرہ کیا کہ ریشمی اور کمخواب کے کپڑوں کو ممنوع قرار دیا۔ موسیقی پر پابندی عائد کر کے گانے والے اور گانے والیوں کو دربار سے نکال دیا۔ شاہی محل میں جتنے بھی اصراف ہوتے تھے، انہی موقوف کر دیا۔ رعایا کے کندھوں سے ٹیکسوں کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ چونکہ آپ ایک عالمِ دین حکمران تھے۔ اس لیے آپ نے عالموں اور بزرگوں کی قدر افزای کی۔ انہیں علوم وفنون کی ہمت افزای کے لیے متعدد مراعات عطا کیں[24]۔

ملک کا نظم ونسق شریعت کے اصولوں کے مطابق قائم کیا۔ عدل وانصاف کا محکمہ بڑے بڑے علما کے ہاتھ میں دیا۔ اسلامی شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک مستند اور جامع کتاب ملک کے مایہ ناز اور

قابل قدر علما کرام کی نگرانی میں مرتب کیا، جو کہ فتاویٰ عالم گیری کے نام سے مشہور ہے، جو آج کل بھی بڑی اہم اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ فقہ حنفی میں ہدایہ کے بعد اس کتاب کو اہمیت حاصل ہے۔ جہاں تک اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت کا تعلق ہے، وہ ایک وسیع سلطنت کا مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود اس حیثیت سے منفرد رہے کہ آپ نے بادشاہی میں فقیری کی۔ آپ بیت المال کے روپے کو باوجود کسی روک ٹوک کے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اپنی روزی کا انتظام خود ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف کی کتابت سے کرتا تھا۔ آپ نہ صرف عملی طور پر محنت ومشقت سے حلال کمای کو خود اپنایا بلکہ دوسروں کو بھی حلال کمای کی ترغیب دی۔

آپ کے عہد حکومت میں تعلیم کو جس قدر ترقی ہوئی، وہ کسی اور مغل بادشاہ کے عہد میں نہ ہو سکی۔ آپ نے ہر شہر کے اندر عالموں اور فاضلوں کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ مغلیہ خاندان کا ہمیشہ سے ایک غلط قاعدہ یہ رہا تھا کہ کسی عہدہ دار کے مر جانے کے بعد اس کی جایداد ضبط کرلی جاتی تھی۔ آپ نے اس قاعدے کو بالکل ختم کر دیا۔ ایک فرمان کے ذریعے تمام ضلعوں میں سرکاری وکیل مقرر کیے۔ اور اعلان کر دیا کہ جس کسی کو بادشاہ یا اس کے کسی عہدہ دار پر کوئی دعویٰ ہو وہ اسے پیش کرے۔ اگر جانچ پڑتال کے بعد حق ثابت ہو جائے تو اپنا حق وصول کر لے۔ آپ نے مسلمانوں کے اخلاق واطوار کی نگرانی اور دین میں فساد وخرابی کی سدباب کے لیے احتساب کا محکمہ قائم کیا۔ زکوۃ کی باقاعدہ وصولی کے لیے نظامِ زکوۃ کا ادراہ قائم کیا۔ غیر مسلم رعایا پر جزیہ مقرر کیا گیا جو اکبر کے زمانے سے موقوف ومعطل تھا۔

مدتِ بادشاہت اور وسعتِ سلطنت دونوں اعتبار سے برصغیر پاک وہند کا یہ بزرگ ترین بادشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر 50 سال فرمان روئی کرنے کے بعد عالمِ آخرت کی راہ لی۔ آپ کی جدائی پر ہر خاص وعام ماتم کناں ہو گئے۔ آپ کے تجہیز وتکفین کے وقت سڑک کے دونوں کنارے کھڑے لوگوں نے آنسوؤں کی موتی نچھاور کرتے رہے۔ کیونکہ عالم گیر کی موت ایک بڑا انقلاب محسوس ہوتا تھا[25]۔

الغرض اورنگزیب عالمگیر ہی مغلیہ خاندان میں ایک ایسا حکمران پیدا ہوا جس نے اپنی زندگی اور اپنی حکومت اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے عملی جدوجہد کی۔

جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں اقامت دین کی جدوجہد کا جائزہ۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق (مرحوم) 12 اگست 1924 کو جالندھر (بھارتی پنجاب) کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے اُن کے والد ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اس لے وہ اپنے فرزند میں اسلامی قدروں اور اسلامی طرز

حیات سے گہرا لگاؤ پیدا کرنے کے خواہشمند تھے ابتدای تعلیم شملہ کے نزدیک بستی کوئی کونڈی کے پرائمری سکول میں حاصل کی بچپن ہی سے وہ پابند صلٰوۃ تھا۔ بچوں کو جمع کر کے باجماعت نماز کا اہتمام کرتا تھا۔ میٹرک کا امتحاں گورمنٹ ہائی سکول شملہ سے پاس کیااور پھر سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر می 1945 میں فوج میں کمیشن لیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برما، ملدیااور انڈونیشیامیں خدمات انجام دی 1947 کو ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ 1964 میں کمانڈر اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں انسٹر کر مقرر ہوئے 1968 میں کرنل کے عہدے پر ترقی ملی 1969 میں بریگیڈیر اور 1973 میں میجر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے اور 1975 میں لفٹننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی ملی اور یکم مارچ 1977 میں قومی اتحاد نے انتکابات مین دھاندلیوں کے خلاف ملک گیر مہم چلائی جس کے نتیجے میں ملک کے حالات خراب ہو گئے اور خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تو آپ نے پانچ جولائی 1977 کو ملک مین مارشلاء نافذ کر کے اقتدار سنبھال لیا 15 ستمبر 1978 کو صدر مملکت کے عہدے کا حلف اُٹھایا اگست 1988 کو بہاولپور کے قریب ایک بستی لال کمال میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے [26]۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں کئے گئے اسلامی اقدامات:

تمام ہی بڑے لوگوں کے کارناماموں کا احساس و اعتراف اور ان کی عظمت کا ادراک لازم نہیں کہ ان کی زندگی ہی میں ہو جائے۔ تاریخ میں چند ایسے شخصیات بھی گزری ہیں کہ ان کی فکر، ان کے اقدامات یا ان کے کارناموں کو اگرچہ ان کی حیات میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہو لیکن پھر بھی کچھ عرصہ بعد اُن کی خدمات کا ضرور اعتراف کیا گیا ہے انہی شخصیت میں سے جنرل ضیاء الحق بھی ہیں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم صدر محمد ضیاء الحق کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اسے ''مرد حق'' کا خطاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایوان صدارت کی زمین کسی صاحب اقتدار کے سجدوں سے آشنا ہوئی تو یہی مرد حق تھا ان کی سیاسی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قائد اعظم کو چھوڑ کر باقی پاکستان کی تاریخ میں یہ واحد سیاست دان تھا کہ ان کی دور حکومت میں بڑے بڑے معرکے کے امتحاں آے اور انہوں نے ایسے مدبّرانہ قدم اُٹھآئے کہ ان کے داد دیتے بغیر چارہ نہیں۔ افغانستان پر روسی یلغار، ایران اور عراق جنگ اور عرب ممالک کی باہمی اویزشون میں اس مرد حق نے بالکل صحیح نقطہ نظر اختیار کیا۔ روس جیسی سپر پاور کے مقابلے میں اس مرد حق نے جس استقائمت اوپامردی کا مظاہرہ کیااور ایسے مومنانہ شان سے جمارہا کہ اس کا اعتراف آپ کے مخالفین کو بھی کرنا پڑا [27]۔ سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان میان محمد طفیل مرحوم صدر محمد ضیاء الحق کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں صلاح الدین ایوبی کی طرح

جنرل ضیاء الحق شہید نے روسی افواج کو پسپا کر کے عظیم اور حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگست 1989 میں میان محمد طفیل مرحوم "شہ رگ پاکستان" کے لے ایک خصوصی مضموں میں جنرل ضیاء الحق اور ان کے کارناموں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ جہاں تک انسانی کمزوریوں کا تعلق ہے جنرل ضیاء الحق نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ان سے پاک ہے انہوں نے ہمیشہ ایک عاصی اور گنہگار انساں ہونے کا اعتراف کیا ملک میں اسلامی نظام کے حوالے کوششوں کے باوجود ناکامی کا بھی اعتراف کیا تاہم انہوں نے اپنے دور حکومت میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو اقدامات اٹھآئے ہیں یقیناً وہ ناقابل فراموش اور قابل تحسین ضرور ہیں[2928]۔

نفاذ اسلام کے سلسلے میں ضیاء الحق کے اقدامات:

قیام پاکستان کے بعد تیس سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی نظام حیات کی برکتوں سے مالامال نہ ہو سکا اور نہ مسلمانان برصغیر کا اسلامی نظام حیات کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکا اور نہ صحیح سمت میں اس منزل کی طرف پیش رفت ہو سکی جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستانی عوام کی امنگوں کی تکمیل کے لیے ان کی اصل منزل کی طرف عملی طور پر ضرور پیش قدمی کی اور ایسے اقدامات ضرور اُٹھائے جن سے نفاذ اسلام کی راہیں روشن اور منوّر ہوتی ہیں۔ 15 جون 1988 کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے شریعت آرڈیننس کے نفاذ کا اعلان کیا جس کے مطابق شریعت اسلامیہ کو ملک کے بالاتر قانوں قرار دیا گیا۔

1۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو:

اگر چہ اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام پہلے ہی وجود میں آگیا تھا تاہم صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس کی تشکیل نو کی منظوری دے دی تاکہ وہ مسلمانان پاکستان کی زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر کرنے کے سلسلے میں وفاقی اور صوبائی اسمبلیون کو ضروری سفارشات مہیا کرے نیز جو ملک کی موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لے اقدامات بروے کار لائے جا سکیں۔

2۔ شرعی عدالتوں کا قیام:

ملک میں شرعی قوانیں کے نفاذ اور ان پر عمل درامد کے سلسلے میں شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ملک کے اعلیٰ عدالتوں میں شریعت بنچ قائم کئے گئے آفاقی شرعی عدالت قائم کی گی جس میں عدلیہ کے معزز ارکان کے علاوہ اسلامی قوانین میں مہارت رکھنے والے ممتاز علمآئے کرام کو بھی شامل کیا گیا۔

3۔ حدود آرڈننس کا نفاذ:

فروری 1979 کو پانچ شرعی حدود (سرقہ، ڈاکہ زنی، زنا، قذف، اور شراب نوشی سے متعلق ہیں) کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تا کہ لوگوں کے جان ومال اور عزت و آبرو کو محفوظ بنایا جاسکے۔

4۔ زکوٰۃ وعشر ارڈننس کا نفاذ:

مالیاتی نظام میں بہتری لانے کی غرض سے صدیوں سے معطل اسلامی نظام زکوٰۃ وعشر کے بحال کرنے کے اقدامات اُٹھائے گئے اور باقاعدہ طور زکوٰۃ وعشر کارڈننس کا نفاذ کیا گیا تا کہ اس مد میں وصول کی جانے والی رقم سے ضرورت مندون، یتیمون، بیواؤں اور محتاجوں کی مدد کی جاسکے اس کام کو موثر اور قابل عمل بنانے کے لے زکوٰۃ کمیٹیاں قائم کی گیئں۔

5۔ غیر سودی نظام کی منظوری:

ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لے سود سے پاک بینکاری کا نظام متعارف کرایا گیا۔ تمام سرکاری تحویل میں کام کرنے والے بینکون میں بلا سود بینکاری کا نظام رائج کیا ہاؤس بلڈنگ کے قرضہ جات سود کے بجآئے شراکتی بنیاد پر جاری کرنے کا اعلان کیا گیا۔ سرکاری ملازمین کو دیئے جانے والے سایکل ایڈوانس پر سود ختم کر دیا گیا۔

6۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا قیام:

حکومت نے نفاذ شریعت کے تقاضوں اور شرعی عدالتوں کی ضروریات کے پیش نظر شرعی قوانین کی تعلیم اسلامی علوم کی اشاعت وترعیج، امت مسلمہ کو پیش امدہ مسایل ومشکلات کے اسلامی حل کے لے تحقیقی کام کے آغاز وفروغ اور اس ضمن میں علمی وعملی تربیت کے لیے اسلام آباد میں بین الاقوامی یونیورسٹی قائم کی۔

7۔ تعلیمی اصلاحات کا نفاذ:

اسلامی قدروں سے ہم اہنگی پیدا کرنے کے لے تعلیمی پالیسی پر نظر ثانی کی گئی۔ تعلیمی نصاب میں ضروری تبدیلیاں کی گیئں۔ اسلام اور نظریہ پاکستان کے منافی مواد کو تعلیمی کتب سے خارج کیا گیا اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم لازمی قرار دی گی۔ عربی زبان کے فروغ کے سلسلے میں تمام تعلیمی اداروں میں عربی مضموں پڑھانے کے لے اہتمام کیا گیا۔ تجوید قرآن کے سلسلے میں قاریوں کی تقرریاں عمل میں لائی گیئں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قرآن مجید پڑھانے اور سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا۔

8۔ ذرائع نشر واشاعت کی اصلاح:

سوشل اور پرنٹ میڈیا کے اندر اسلامی قدروں کے فروغ کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ فحش اشتہارات پر پابندی لگای گئی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر محافل شبینہ اور مناسک حج براہ راست نشر ہونے کا اہتمام کیا گیا ٹی وی پر کام

کرنے والی خواتین کے لئے دوپٹے کا استعمال لازمی قرار دی گئی۔ پنجگانہ نمازوں کی اوقات میں ٹیلی ویژن پر آذانوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

9۔ دینی مدارس کی سرپرستی:

حکومت سے الحاق شدہ تمام دینی مدارس کے اسناد کو ایم آئے کے ڈگری کے برابر حیثیت دی گی اس طرح یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کو فوج اور دوسرے تعلیمی اداروں کے اندر ملازمتوں کے مواقع میسر آنے لگئے۔

خصوصی اقدامات۔

1۔ اقامت صلوٰۃ نافذ کیا گیا ملک کے طول و عرض میں صلوٰۃ کمیٹیاں بنائی گیئں تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے احکامات صادر کئے گئے۔

2۔ ماہ رمضان کے تقدس کو بحال رکھنے کے لے رمضان ارڈننس نافذ کیا گیا۔

3۔ آئین میں باقاعدہ ترمیم کرکے مسلم اور غیر مسلم کی تعریف واضح کی گی۔

4۔ حضورؐ واہل بیت اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی اور شعار اسلام کی بے حرمتی کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔

5۔ مخلوط تعلیم کو ختم کرنے کے لے علحیدہ خواتین یونیورسٹی کے قیام کی منظوری دے دی گئی۔

6۔ تمام تعلیمی پیشہ ورانہ اور تربیتی اداروں میں اسلامیات کی تدریس اور میٹرک تک تمام طلباء کے لے ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم کو لازمی قرار دی گئی۔

7۔ احتساب کا محکمہ قائم کیا گیا۔

8۔ تمام تقریبات بالخصوص قومی تقریبات کے موقع پر لباس اور دیگر اُمور میں سادگی اپنانے کی ہدایات جاری کر دی گیئں۔

9۔ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کو زیادہ سے زیادہ موئثر بنانے کے لے یکے بعد دیگرے علماء کنونشنوں کا سلسلہ جاری ہوا جس میں علماء کرام اور مشاخ عظام کو اپنے تاثرات اور سفارشات براہ راست صدر گرامی کی خدمت میں پیش کرنے کے مواقع میسر آئے([30])۔

10۔ اکتوبر 1980 میں جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے عالم اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے خطاب کرنے کا موقع ملا تو اپنی تقریر کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے کرنے کا فیصلہ کرکے نہ صرف ایک صحیح مسلم

حکمران ہونے کا حق آدا کر دیا بلکہ اسمبلی میں موجود تمام شرکاء کو حیران کر کے رکھ دیا نیز تلاوت کے لیے ایسی آیات کا انتخاب کیا جس میں اسلام کا ابدی پیغام اور انسانیت کو درپیش مسایل کا حل موجود ہے۔

خلاصہ:

دین اسلام کی فطرت ہی یہی ہے کہ اس کے سامنے کفر، شرک، برائی اور شیطانی چال کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ فوری اپنے اثرات مرتب کرتی رہتی ہے۔ برصغیر جو کسی زمانے میں ظلم وجبر اور کفر کے اندھیروں میں ڈوبا تھا، اسلام کی معمولی حرکت، جہاد کی بدولت نہ صرف ظلم وجبر کا دور ختم ہوا بلکہ کفر کی جڑیں کٹ گئی دینِ اسلام مکمل شکل میں یہاں غالب رہا۔ اس کے علاوہ برصغیر کے معاشرے میں اسلام اور مسلمان جس حالت میں بھی رہیں، انہوں نے دورس اثرات مرتب کیے۔ درج بالا سطور میں انہی واقعات، حالات اور اثرات کا جائزہ لیا گیا۔

حوالہ جات

1. محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، 1971، ص:19
2. بھٹی، محمد اسحاق، فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1974، جلد اول، ص:13
3. زاہد چوہدری، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ عہد بنو اُمیہ، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور، 2003، ص:152
4. فرید آبادی، ہاشمی، سید، تاریخ مسلمانان پاکستان، بھارت، انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی، جلد اول، عہد کشور کشائی، س۔ن۔ ص:81
5. محمد بشیر احمد، پروفیسر، خلافت سے ملوکیت تک، فہد پبلشرز، راجپوت مارکیٹ اُردو بازار لاہور، س۔ن، ص:347
6. ندوی، سید، سلیمان، مولانا، عرب وہند کے تعلقات، کریم سنز پبلشرز کراچی نمبر 5،، 1976 ص:16
7. محمد احسن، حافظ، سو عظیم مسلمان جرنیل، علی فرید پرنٹرز، لاہور، 2007، ص:487
8. چراغ، محمد علی، مطالعہ پاکستان، سنگ میل پبلشرز، لاہور 1988 ص:63
9. اصلاحی، ظفر الاسلام، عہد اسلامی کے ہندوستان میں معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، 2009ء، ص 73
10. خورشید احمد، گیلانی، صاحبزادہ، تاریخ کی مراد، خزینہ علم و آدب، الکریم مارکیٹ، لاہور، 2001، ص 55

11. مبارک پوری، قاضی اطہر، مولانا، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، پروگریسو بکس اُردو بازار، لاہور، 1989، ص:102
12. مبارک پوری، قاضی اطہر، مولانا، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص:۱۲۱
13. بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1990، ص:170
14. اکبر آبادی، انتظام اللہ، حکیم، مفتی، تاریخ ملت، کوہ نور پریس لاہور، 1955، ص:79
15. فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور، س۔ن، جلد اول، ص:۹۹
16. بلگرامی، سید علی، تمدن ہند، مقبول اکیڈمی لاہور، 1962، ص:215
17. مفتی انتظام اللہ، شہابی اکبر آبادی، تاریخ ملت، جلد دہم، ص:79
18. شوکت علی فہمی، ہندوستان میں اسلامی حکومت، جہان علم وادب اُردو بازار لاہور، س۔ن، ص:92
19. سجاد میر ٹھی، زین العابدین، مفتی، تاریخ ملت، ادارہ اسلامیات لاہور، فروری، 1990، ص 447
20. اکبر آبادی، سعید احمد، پروفیسر، مولانا، مسلمانون کا عروج وزوال، ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور، 1983، ص244
21. محمد اکرم، شیخ، آب کوثر، فیروز سنز لاہور۔ 1971 ص119
22. خوشید احمد، محمود فاروقی، چراغِ راہ نظریہ پاکستان نمبر، دفتر چراغ راہ کراچی، دسمبر 1960، جلد2، ص152
23. فہد فلاحی، عبید اللہ، ڈاکٹر، تاریخ دعوت وجہاد برصغیر کے تناظر میں، اداراہ معارف اسلامی لاہور، 2000، ص66
24. فرید آبادی، سید ہاشمی، تاریخ مسلمانانِ پاکستان وبھارت، ادرہ معارف اسلامی، لاہور، 1989، ص578
25. اُردو انسایکلو پیڈیا، فیروز سنز لاہور، 2005۔ ص۔1292
26. عبد الحمید، چودھری، شہید اسلام، مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور س ن، ص207
27. مہنامہ شہ رگ پاکستان، اگست 1989، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص، 127
28. عبد الحمید چودھری، شہید اسلام، ص121۔